اختلاف اور شقاق (خلاف) میں فرق اور ان کی اقسام: ایک تفصیلی جائزہ

The difference between the disagreement and contradiction and its types: A detailed study

ڈاکٹر سید نعیم بادشاہ[i] ڈاکٹر محمد نعیم[ii]

Abstract

Shariat has got two type of cammonds. One is that which one basic and fundamental related to beliefs are provide guidance to every aspect of practical life e.g belief or provide guidance belief in dooms day, torment of grave, the existence of the angels, prayer, fasting, Hajj and obligation of Zakat furmicacion drinking of liquar, usury and prohibitiong of gambling, stimulentent of marraige agreement, commands regarding character etc.Boundries of deen, and the crossing of these boundries means the crossing of Allah's commands boundries and their denial is the repudeation of deen itself which is infidelity anbd heathenism and there is no chance for the people t differ, if a person is sincere in seeking will of Allah, and abstain himself from things which have been prohibited by Allah and he is not the slare of his desires and self. Differences in these matter and reluctance to follow the majority of Muslims in this ragard is not a mistake but a blunder and distraction.

The others are the secondry orders which have been derived from the basic commands.In these orders the imams have differed with on another. Due to differences in these matters Ummah got uncountable benifits, Islamic knowledge got developed and the best model of inquiry and research and arguement and discussion were discovered, but the non muslim called these different ways of thinking of Islamic

i ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، زرعی یونیورسٹی پشاور

ii اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالوالی خان یونیورسٹی مردان

jurisprudance which a blessing, sectrianism, and the simple and unaware muslim were ashamed of this blame.

Although no war, fighting took place among muslims due to different ways of thinking, but the followers of these four imams loved one another.In this article we have tried to bring forth the difference between the disagreement and conflict in detail.

شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں۔ایک وہ ہیں جو بنیادی اور اساسی نوعیت کے ہیں۔ جن کا تعلق اعتقادات یا عملی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے اصولی رہنمائی سے ہے۔ جیسے توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، عذاب قبر، فرشتوں کا وجود، نماز، روزہ، حج وزکوۃ کی فرضیت، زنا، شراب نوشی، سود اور جوئے کی حرمت، محرمات نکاح، اخلاقی احکام وغیرہ ان کی حیثیت دین کے حدود اربعہ کی ہے۔ان سے تجاوز حدود اللہ سے تجاوز ہے اور ان کا انکار ضروریات دین کا انکار ہے اور کفر ہے۔ ان میں ان لوگوں کے لئے اختلاف کا کوئی موقع نہیں جو خدا کی مرضیات کی تلاش میں مخلص ہوں اور خدا کی منہیات سے اجتناب میں ہویٰ نفس کے پیروکار نہ ہوں۔ان میں اختلاف اور اہلِ ایمان کی مجموعی روش سے گریز "خطا" نہیں "ضلال" ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان جو مسائل مختلف فیہ ہیں، ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی مختلف فیہ تھے، ان مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا غیر معمولی علمی فائدہ ہوا، علوم اسلامیہ کو ترقی ہوئی بحث وتحقیق کے اعلیٰ ترین نمونے سامنے آئے، لیکن غیروں نے فقہی مسالک کے اس اختلاف کو جو امت اسلامیہ کے لئے سراسر رحمت ہے، فرقہ بندی کا نام دیا اور سادہ لوح ناواقف مسلمان اس طعنہ سے شرمانے لگے۔ حالانکہ فقہی مسالک کے اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں میں کبھی جنگ وجدال، قتل وقتال کی نوبت نہیں آئی، بلکہ چاروں ائمہ کی تقلید کرنے والے مسلمان باہم شیر وشکر رہے۔

اختلاف اور شقاق (خلاف) کی لغوی واصطلاحی تعریف

اختلاف باب افتعال سے بمعنی معاملہ یا گفتگو میں وہ طریق اختیار کرنا جو دوسرے کا نہ ہو۔ مخالفت کرنا[1]۔

خلاف (شقاق) باب مفاعلہ سے بمعنی الٹا، ناموافقت کرنا، المسائل الخلافیہ، مختلف فیہ مسائل[2]۔

مولانا بدر عالم صاحب اس کی تعریف فرماتے ہیں:

"ہر یکساں حالت کے بعد جب اس کے خلاف کوئی دوسری حالت رونما ہوتی ہے اس کا نام ہم اختلاف رکھتے ہیں[3]۔"

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ ۲: ۱۶۴، سورہ یونس ۱۰: ۶، وغیرہ۔

اصلاحی تعریف

اہل اجتہاد کا دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا۔

علامہ جرجانی نے یہ تعریف کی ہے:

منازعة تجری من المتعارضین لتحقیق حق وابطال باطل[4]

"اختلاف وہ آمیزش جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لئے ہو۔"

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

الاختلاف: ان یاخذ کل واحد طریقاً غیر طریق الا خر فی حاله او قوله ای من غیرتنازع ولا شقاق[5]

"فریقین میں سے ایک ایسا راستہ اختیار کرے جو دوسرے کا نہ ہو حال کے اعتبار سے یا قال کے لحاظ سے بغیر کسی لڑائی اور تفرقہ کے ے عنی کسی حالت یا قول مے ں ایک دوسرے کے خلاف طریق کا راختیار کرنا (بغیر کسی لڑائی و تفرقہ کے)۔"

اور آگے فرماتے ہیں:

والخلاف اعم من الضد، لان کل ضدین مختلفان، ولیس کل مختلفین ضدین

"اور خلاف کا لفظ اس سے اعم ہے، کیونکہ ضدین کا مختلف ہونا ضروری ہوتا ہے مگر مختلفین کا ضدین کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔"

شیخ عوامہ نے اپنی کتاب ادب الاختلاف میں امام ابوالبقاع الکھنویؒ کے حوالے سے ان دونوں کے درمیان فرق کو نقل کیا ہے۔

1. **الاختلاف**: ھو ان یکون الطریق مختلفاً والمقصود واحداً

الخلاف: هو ان يكون كلاهما، اى الطريق والمقصود مختلفاً

2. **الاختلاف**:مايستند الى دليل والخلاف : مالا يستند الى دليل

3. **الاختلاف**: من اثار الرحمةوالخلاف : من اثار البدعة

4. ولم حكم القاضى بالخلاف ورفع لغيره ليجوز فسخه بالخلاف الاختلاف فان الخلاف هو ماوقع فى محل لايجوز فيه الاجتهاد وهو ماكان مخالفاً لكتاب والسنة والاجماع[6]

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے اعلیٰ واشرف رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اپنا آخری اور مکمل صحیفہ ہدایت قرآن کی شکل میں نازل فرمایااور تاقیامت قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا:

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون[7]

قران کی حفاظت سے مراد محض الفاظ قران کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ الفاظ قرآن سے آگے بڑھ کر اس کے معانی و مطالب اور اس کے احکام تک وسیع ہے۔اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے افعال واقوال و تقریرات کا وہ حصہ جس کے بغیر قرآن کے معانی واحکام اور قرآن کی گہرائیوں تک رسائی ممکن نہیں اس کی حفاظت بھی حفاظتِ قران کے دائرہ میں داخل ہے۔ حفاظت قرآن کا وعدہ درحقیقت پورے اسلام کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ کیونکہ قرآن ہی کے سرچشمہ سے اسلامی عقائد و احکام،اسلامی اخلاق و معاملات کی نہریں جاری ہوئیں۔ سنت رسول قرآن کی جامع تفسیر ہے اور علوم اسلامیہ اس کے شیریں پھل،اسی حقیقت کو زبانِ رسالت نے ان الفاظ میں بیان کیا:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين[8]

آنے والی ہر نسل سے عادل لوگ اس علم کے حامل ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی اختراع اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے۔

حفاظت قرآن کے پردے میں دراصل اسلام کے تمام شعبوں،عقائد، احکام، اخلاق و معاشرت کی حفاظت کا وعدہ اللہ جل شانہ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا مذہب سابقہ مذاہب کی طرح تحریف کا شکار نہیں ہوگا۔ اسلام کے خلاف

تحریف کی کوششیں اور سازشیں ہمیشہ ناکام ہوتی رہیں گی۔ یہ مذہب تا قیامت اپنی اصلی حالت میں درخشندگی اور تابناکی کے ساتھ باقی رہے گا اور گم کردہ راہ انسانوں کے لئے مینارۂ نور اور مشعل ہدایت کا کام دے گا۔

اسلام کے بنیادی احکام میں ائمہ کرام کا اتفاق جس طرح اسلامی احکام میں بندوں کی طرف سے اضافہ یا حک و فک تحریف فی الدین شمار ہوتا ہے، اسی طرح مدارج احکام میں کسی قسم کی تبدیلی تحریف شمار ہوتی ہے۔ مدارج احکام سے مراد یہ ہے کہ کس حکم شرعی کو فرض مانا جائے، کس کو واجب، کس کو سنت یا مستحب، کس کو قطعی تسلیم کیا جائے کس کو ظنی، غرضیکہ اسلام کے مکمل نظام عقائد و اعمال میں کسے کیا حیثیت اور کیا مقام دیا جائے اس کی بنیادیں بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے فراہم کر دی گئی ہیں۔ شریعت اسلامی کے وہ سارے اجزاء و عناصر جن کی عامۃ الناس کو حاجت تھی اور جن کی حیثیت دین میں اساسی تھی، نبی اکرم ﷺ نے ان کی تبلیغ اس شان سے کی کہ عام مسلمانوں میں وہ خوب شائع و ذائع ہوگئے اور ہر نسل نے بعد والی نسل تک اسے اس طرح پہنچادیا کہ ان میں تواتر و توارث کی شان پیدا ہوگئی اور قطعیت پیدا ہوگئی۔ امام شافعیؒ نے اس کو "مانقلته عامته من عامته" سے تعبیر کیا ہے اور الرسالۃ میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

وھذا الصنف کله من العلم موجود نصافی کتاب الله جل و مو جودا عاما عند اهل الاسلام ،ینقله عوامهم عن من مضی من عوامهم یحکونه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم [9]

اور یہ پوری قسم صراحۃً اللہ کی کتاب میں موجود ہے اور عموماً اہل اسلام کے پاس موجود ہے۔ عامۃ المسلمین اسے اپنے پیشرو عامتہ المسلمین سے نقل کرتے ہیں، اسی طرح یہ سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک پہنچ جاتا ہے۔

ضروریاتِ دین اور شریعت اسلامی کا اساسی حصہ "نقلالعامة عن العامة" یا "نقل الکافته عن الکافته" کی راہ سے ہر نسل تک پہنچتا رہا ہے۔ جسے ہم تواتر سے بھی موسوم کرتے ہیں، تواتر کا لفظ سن کر فوراً ذہن تواتر اسنادی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور تواتر اسنادی ہی پر تواتر کو منحصر سمجھ لینے کی وجہ سے بعض حضرات دین کے متواتر حصہ کی مقدار بہت قلیل سمجھتے ہیں۔ علامہ انور شاہ

کشمیریؒ اپنی گراں قیمت کتاب "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" میں اس غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں:

ثم ان التواتر قد یکون من حیث الاسناد کحدیث من کذب علی متعمداً ....وقد یکون من حیث الطبقة کتواتر القران تواتر علی البسیطة شرقا و غربا، درسا و تلاوة حفظا و قراة تلقاه الکافة عن الکافة طبقة عن طبقة.... .... الی حضرة الرسالة لاتحتاج الی اسناد یکون عن فلان عن فلان وقد یکون تواتر عمل وتواتر توارث وقد تجتمع اقسام کمافی اشیاءمن الوضوءکالسواک فی المضمة والاستنشاق ثم ان التواتر یز عمه بعض الناس قلیلا وهو فی الواقع یفوت الحصر فی شریعتنا ویعجز الانسان ان یفهرسه و یذهل الانسان عن التفاته فاذا التفت الیه راه متواتراً وهذا کالبدیهی کثیرا مایذهل عنه ویحفظ النظری [10]

"تواتر کبھی سند کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے ''من کذب علی متعمدا'' والی حدیث، کبھی تواتر طبقہ ہوتا ہے، جیسے قرآن مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں متواتر ہے۔ مسلمانوں کی ہر نسل نے پہلی والی نسل سے قرآن سیکھا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ جناب رسالت مآب ﷺ تک پہنچتا ہے۔ قرآن میں سلسلہ سند کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی تواتر عمل اور تواتر توارث ہوتا ہے، کبھی تواتر کی متعدد قسمیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جیسے وضو کی چند چیزوں مثلاً مسواک، مضمضہ اور استنشاق میں پھر تواتر کو بعض لوگ قلیل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری شریعت میں تواتر سے ثابت شدہ امور بے شمار ہیں، انسان ان کی فہرست نہیں بنا سکتا، انسان ایک چیز کی طرف توجہ نہیں دے پاتا، جب ادھر توجہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز متواتر ہے۔ متواتر کا حال بدیہی کی طرح ہے۔ انسان اکثر بدیہی کو بھول جاتا ہے اور نظری کو یاد رکھتا ہے۔"

شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو بنیادی اور اساسی نوعیت کے ہیں۔ جن کا تعلق اعتقادات یا عملی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے اصولی رہنمائی سے ہے۔ جیسے توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، عذاب قبر، فرشتوں کا وجود، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی فرضیت، زنا، شراب نوشی، سود اور جوئے کی حرمت، محرمات نکاح، اخلاقی احکام وغیرہ ان کی حیثیت دین کے حدود اربعہ کی ہے۔ ان سے تجاوز حدود اللہ سے تجاوز ہے اور ان کا انکار ضروریات دین کا انکار ہے اور کفر ہے۔ ان میں ان لوگوں کے لئے اختلاف کا کوئی موقع نہیں جو خدا کی مرضیات کی تلاش میں مخلص ہوں اور

خدا کی منہیات سے اجتناب میں ہویٰ نفس کے پیروکار نہ ہوں۔ ان میں اختلاف اور اہلِ ایمان کی مجموعی روش سے گریز "خطا" نہیں "ضلال" ہے اور یہی قرآن مجید کی زبان میں یتبع غیر سبیل المومنین[11] "اہل ایمان کی راہ سے انحراف۔" ہے۔

دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں ہیں۔ ان میں پیغمبر اسلام کے ایک سے زیادہ ارشادات منقول ہیں اور ان میں تقدم وتاخر سے ناواقفیت یا موقع و محل سے ناآگہی کی وجہ سے بظاہر تعارض واختلاف محسوس ہوتا ہے، یا کتاب وسنت میں ان کی تعبیر کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس رائے پر رکھی گئی ہے اور مختلف اشخاص کی آراء میں تفاوت ایک فطری اور طبعی بات ہے، ان احکام میں غور وفکر اور اجتہاد واستنباط کے دوران اہل علماء کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو تو مذموم نہیں، محمود ہے اور شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت میں مطلوب ومقصود ہے۔

نیز ان احکام کا "نقل الخاصة لا عن الخاصة" کی راہ سے ہم تک پہنچنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا منشاء ہی یہ تھا کہ دین کا یہ حصہ ''خبر الواحد عن الواحد'' کی راہ سے ہم تک پہنچے تاکہ ان احکام کے مطالبہ میں پہلی قسم والی شدت پیدا نہ ہو اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں ایسا طرز اختیار فرمایا کہ ان میں شہرت وشیوع وتواتر کی شان پیدا نہ ہوسکے۔ اسی طرح خلفاء راشدین نے بھی منشاء رسالت سے واقفیت کی بناء پر دین کے حصہ میں رسول اکرم ﷺ کی روش کو اختیار فرمایا، غرضیکہ دین کے اس حصہ کا خبر آحاد کی شکل میں منتقل ہونا یہ واقعہ ہوا نہیں بلکہ کیا گیا، شریعت اسلامی کے اسی دوسرے حصہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلافات ہیں، یہ اختلافات ائمہ مجتہدین سے شروع نہیں ہوتے بلکہ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی ان مسائل میں اختلافات تھے فقہاء وتابعین میں بھی وہ اختلافات قائم رہے، ان مسائل میں اختلافات کی نوعیت زیادہ تر افضل، غیر افضل، راجح، مرجوح کی ہے، جواز وعدم جواز صحت وفساد والے اختلافات دس فیصد بھی نہیں ہیں، جواز وعدم جواز کا اختلاف شاذ ونادر ہونے کی وجہ سے علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ نے تو اس طرح کے مسائل کے بارے میں کلی طور پر لکھ دیا:

هم مخيرون في ان يفعلوا ماشاءوا وانما الخلاف بين الفقهاءفيه في الافضل منه [12]

ان کو اس بارے میں اختیار ہے کہ جو چاہے کریں فقہاء کرام کا اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ افضل کے ہے۔

امام شاطبیؒ نے حضرت قاسم بن محمد کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے:

لقد نفع الله باختلاف اصحاب النبی في اعمالهم لا يعمل العامل بعمل رجل منهم الا رای انه في سعة و رای ان خيرا منه قد عمله[13]

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اعمال میں اختلاف سے امت مسلمہ کو فائدہ پہنچایا۔ عمل کرنے والا ان میں سے کسی کے عمل کے مطابق عمل کرتا ہے تو اپنے لئے گنجائش محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے بہتر شخصیت نے یہ عمل کیا تھا۔

حضرت قاسم بن محمد کا شمار مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں، بچپن میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی زیر تربیت آگئے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی آغوش شفقت و سایہ عاطفت میں ہوش سنبھالا۔

خود پیغمبر اسلام کی حیات میں اس کی مثالیں موجود ہیں جن احکام میں کتاب و سنت کی صراحت موجود نہ ہو ان میں خود آپ نے اجتہاد فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اجتہاد رائے میں اختلاف رائے کا پیدا ہونا عین مطابق فطرت ہے اسی لئے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر مجتہد ماجور اور مستحق ثواب واجر ہے۔ چاہے اس کے غور و تتبع نے اس کو حق تک پہنچایا ہو یا وہ منشاء شریعت کو نہ پاسکا ہو۔

ان اصاب فله اجران وان اخطافله اجر[14]

چنانچہ عہد صحابہ ہی میں فقہاء کے درمیان فقہی اختلافات کا ظہور ہو چکا تھا، بلکہ متعدد مستقل منہج اجتہاد وجود میں آچکے تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان سینکڑوں مسائل میں جو اختلافِ رائے پایا جاتا ہے وہ محتاجِ اظہار نہیں۔ یہی سلسلہ بعد کے سلف میں بھی قائم رہا اور سلف صالحین نے کبھی اس اختلاف رائے کو نہ برا جانا اور نہ ہی اپنی رائے سے اختلاف کا برا مانا۔

دینِ اسلام کے اندر فرقہ بندیوں اور اس میں اختلاف وشقاق کو کوئی بھی ہمدرد اسلام دیکھ کر ضرور غمگیں ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر غمگیں آدمی کو اس اختلاف کی بنیادی وجہ بھی معلوم ہو اور بسا اوقات آدمی خود شریعتِ اسلام سے بدگمان ہونے لگتا ہے اور ملت کے افتراق اور شقاق کو فقہی اختلافات ہی کو گردانتا ہے اور ان کے ذہن میں بس یہی ایک بات ہوتی ہے کہ اس امت کے اختلافات کا حل صرف اور صرف یہی ہے کہ تمام مسلمان یکجا ہو کر تمام فقہی اختلافات کو ترک کر کے ایک مسلک کو اختیار کریں اور بس۔ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو یہ تجویز اور رائے ناقابل عمل ہے۔ عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ اس لئے کہ نہ تو یہ شریعت کا مقصد اور منشاء ہے اور ماضی میں اس طرح ہوا ہے اور نہ مستقبل میں متوقع ہے۔ اس لئے کہ ہر دور میں نئے نئے مسائل جنم لیتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لئے ارباب حل وعقد جمع ہو کر حل نکالتے ہیں۔ تو آراء اور افکار میں اختلاف ہونا بدیہی بات ہے۔ اس لئے کہ خالق کائنات نے انسان کو بنایا ہی ایسا ہے کہ ان کی فکر ورائے یکساں نہیں ہو سکتی۔

اسی بات کی وضاحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ یوں فرماتے ہیں:

> "اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے۔ کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو۔ جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت نہیں ہے۔ دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جا سکتا اور اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر رہے وہ کبھی کسی قوم جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے[15]۔"

دین کے فروعی حصہ میں امت کا اختلاف رحمت ہے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کا رمز شناس اور مقاصد شریعت کا غواص بنایا، انہوں نے ہمیشہ ان اختلافات کو امت کے لئے رحمت تصور کیا اور کسی ایک قول پر مسلمانوں کو مجبور کرنے کی شدید مخالفت کی، معلم العلماء، خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے تجویز رکھی کہ کاش کہ آپ لوگوں کو ایک ہی مسلک پر متفق کردیتے۔ (لواجمعت الناس علی شئی) توانہوں نے جواب دیا مایسرنی انہم لم یختلفوا) یعنی اگر مسلمان مختلف نہ ہوتے تو یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی۔ انہوں نے اسی جواب پر اکتفا نہ کیا بلکہ:

ثم کتب الی الافاق والی الامصار لیقضی کل قوم بما اجتمع علیه فقهاهم [16]

پھر انہوں نے اپنے تمام ممالک بعیدہ کے ارباب علم و دانش کے نام فرمان بھیجا کہ ہر ملک کے باشندے اسی کے مطابق فیصلہ کریں جن پر ان کے فقہاء کا اتفاق ہو۔ غرضیکہ مختلف علاقوں اور شہروں کے فقہاء کا جو اختلاف تھا اسے باقی رکھنے کا فرمان جاری کردیا۔

امام مالک کا واقعہ

امام مالکؒ کا یہ واقعہ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ ایک بار منصور نے حج کیا اور امام مالکؒ سے عرض کیا کہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ جو کتابیں آپ نے لکھی ہیں ان کی نقلیں کرواؤں اور انہیں مسلمانوں کے ہر ہر شہر میں بھیج کر فرمان جاری کروں کہ لوگ صرف انہیں کتابوں کے مطابق عمل کریں۔ ان سے متجاوز ہو کر کوئی اور طریقہ اختیار نہ کریں۔ خلیفہ منصور نے امام مالکؒ کے سامنے یہ پیشکش رکھی جو اپنی فوجی اور سیاسی طاقت کے اعتبار سے اس زمانہ میں دنیا کا سب سے طاقتور بادشاہ تھا۔ اگر مسائلِ فقہیہ اور احکامِ جزئیہ میں عام مسلمانوں کو کسی مسلک پر متفق کرنا مطلوب شرعی ہوتا یا اسلام میں اس کی گنجائش ہوتی تو امام مالکؒ جیسا محبِ اسلام اور مسلمانوں کا بہی خواہ اس زریں موقعہ سے کیوں نہ فائدہ اٹھاتا، لیکن امام مالکؒ نے فرمایا:

> یاامیرالمومنین لاتفعل هذا فان الناس قد سبقت الیهم الاقاویل وسمعوا احادیث ورووا روایات واخذ کل قوم بما سبق الیهم،اتوا به من اختلاف الناس، فدع الناس وما اختاراهل کل بلد منهم لانفسهم [17]

"امیر المومنین! ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں تک اس سے پہلے اقوال پہنچ چکے ہیں۔ انہوں نے احادیث سنی ہیں، روایات کی ہیں، ہر قوم نے ان اقوال و روایات کو اختیار کرلیا ہے جو ان

تک پہنچیں، لہذا لوگوں کو انہیں اقوال و روایت پر رہنے دیجئے جو ہر شہر والوں نے اپنے لئے پسند کی ہے۔"

امام مالکؒ کا قول دع الناس وما اختاراهل كل بلدلا نفسهم**اور حصرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا** ارشاد لیقضی کل قوم بم اجتمع علیه فقها وهم **اس باب میں قول فیصل ہے**، ان دونوں حضرات کے اقوال سے یہ باتیں بھی سمجھ میں آتی ہےں کہ اس طرح کے مسائل خلافیہ میں اپنے مسلک کی وضاحت کرنے اور دلائل پیش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن اپنے مسلک کو رائج و مقبول بنانے کے لئے اس طرح دعوت و تحریک چلانا جس سے مسلمان آبادیوں کا سکون درہم برہم ہو جائے اور معرکہ حق و باطل کا شبہ ہونے لگے اس کی گنجائش نہیں۔

غور کیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہ تھے کہ فروعی اور عملی احکام کو بھی اعتقادات ہی کی طرح بے غبار الفاظ میں اپنی "کتاب محفوظ" میں ذکر فرما دیتے، یا کم از کم احکام کی تفصیلات و جزئیات کو عہدِ رسالت سے آج تک اتنی بڑی جماعت کے ذریعہ نقل وابلاغ کراتے کہ وہ تواتر کا درجہ حاصل کرلیتی اور امت میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، لیکن ایسا نہ ہوا کہ خدا کو یہی منظور تھا کہ اساسیاتِ دین میں کسی حک واضافہ کا موقع نہ رکھا جائے اور دوسری تفصیلات میں غور و فکر اور بحث و تدبیر کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور ےہ اختلاف جو بظاہر ایک ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی ہے۔ان کے لئے رحمت و وسعت کا باعث بنا دیا جائے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں تنگی محسوس کریں تو مختلف فقہاء کے اجتہادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی آراء کا تتبع کرلیں جو ان کو دشواری سے بچا سکے۔

علماء کے اسی جذبہ حق شناسی اور جستجوئے مخلصانہ کے تحت بعد کے اہل عرب نے ان اسباب اور بنیادوں کی تحقیق کی سعی کی ہے جو سلف صالحین کے درمیان اختلاف رائے کا باعث بنے ہیں۔ان کو اصول استنباط واجتہاد میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔یہ غور و تدبر کے دروازے کھولتے ہیں اور بالخصوص جدید پیدا شدہ مسائل کے حل اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے میں معاون و مددگار ہیں.... افسوس کہ یہ موضوع جس قدر اہم تھا اور جس توجہ والتفات اور بحث و مناقشہ کا طالب اور مستحق تھا اس درجہ توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔

مجتہدین کے اختلافات، فرقہ بندی نہیں ہیں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان جو مسائل مختلف فیہ ہیں، ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی مختلف فیہ تھے، ان مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا غیر معمولی علمی فائدہ ہوا، علوم اسلامیہ کو ترقی ہوئی بحث و تحقیق کے اعلیٰ ترین نمونے سامنے آئے، لیکن غیروں نے فقہی مسالک کے اس اختلاف کو جو امت اسلامیہ کے لئے سراسر رحمت ہے، فرقہ بندی کا نام دیا اور سادہ لوح ناواقف مسلمان اس طعنہ سے شرمانے لگے۔ حالانکہ فقہی مسالک کے اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں میں کبھی جنگ وجدال، قتل و قتال کی نوبت نہیں آئی، بلکہ چاروں ائمہ کی تقلید کرنے والے مسلمان باہم شیر وشکر رہے، ان میں ہر طرح کے معاشرتی، علمی، سیاسی روابط رہے، تذکرہ و تراجم کی کسی کتاب میں کسی بھی مسلک کے ممتاز عالم و محدث کا حال دیکھ لیجئے۔ عموماً اس کے اساتذہ و شیوخ میں ہر مسلک کے لوگ ملیں گے۔ مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کے افسانے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اہل سنت میں جو اختلافات ہیں اور ان اختلافات کی بنیاد نام نہاد لوگ مختلف ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، بتا چکا ہوں کہ علماء ہو یا عملاً ان کے اختلافات کی وہ نوعیت ہی نہیں ہے جس سے فرقے بنتے اور ٹولیاں تیار ہوتی ہیں.... اسی لئے باہم ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک والوں سے شادی بیاہ کے عام معاشرتی ہی نہیں بلکہ پیری مریدی تک کے تعلقات قائم کرنے سے نہیں جھجکتے، شروع سے لے کر اس وقت تک کا عام حال یہی رہا ہے، کہیں کہیں شخصی طور پر اگر کسی کے قلم سے یا زبان سے اور وہ بھی علمی مباحثوں یا مناظروں کے وقت کچھ بے احتیاطیاں عمل میں آئی ہیں تو اس کی ذمہ داری ان اختلافات پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی بے احتیاطیاں تو ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہیں جن میں یہ اختلافات نہیں ہیں۔ علمی ترنگ اور مناظراتی جوش میں بھر کر کیا حنفی عالموں نے اپنے ہی جیسے حنفی پر چوٹ نہیں کی.... لیکن یہ بے احتیاطیاں بھی کیا زبان و قلم سے آگے بڑھ کر کبھی تلوار کے قبضوں تک پہنچ گئی ہیں؟۔ اسلام چودہ سو سال کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے، اس کی آبادیوں کا دائرہ ایشیاء وافریقہ بلکہ یورپ کے بعض خطوں تک محیط ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حنفیوں کی فوج شافعیوں کے مقابلے میں یا مالکیوں کا رسالہ حنبلیوں کے مقابلہ میں اس لئے صف آراء کبھی، کہیں، کسی زمانہ میں ہوا تھا کہ ان میں ایک کا

دوسرے سے مذہبی اختلاف تھا.... رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں جو کچھ ہوا وہ تو خیر ایک بڑی بات ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اہل سنت کے ان مختلف اماموں کے متبعین میں کبھی کوئی معمولی جھڑپ بھی ہوئی ہو اور چودہ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک دو واقعے اگر کہیں شاذ و نادر پیش آئے بھی ہوں تو تحقیق سے معلوم ہو گا کہ جھڑپ کی بنیاد میں در حقیقت کوئی دوسری چیز پوشیدہ تھی[18]۔"

اس موضوع پر غالباً سب سے پہلے ابن السید بطلیموس (۴۴۴ھ/۵۲۱ھ) نے قلم اٹھایا جو اندلس کی سرزمین علم مکین کے عہد بہار کی یادگار ہیں۔ اور آٹھ بنیادی اسباب اختلاف سے بحث کی، پھر اندلس کے ایک حصہ قرطبہ کی خاک سے تاریخ اسلام کے گل سر سید ابن رشد قرطبیؒ (۵۲۰ھ/۵۹۵ھ) اٹھے اور فقہاء کے اختلاف رائے کی اساس پر ایک ایسی شاندار یادگار کتاب لکھی جو آج تک "بدایۃ المجتہد" کے نام سے زبان زد عام و خاص ہے۔ ابن رشد نے یوں تو باب در باب ہر ہر مسئلہ پر الگ الگ گفتگو کی ہے، لیکن کتاب کے شروع میں دو تین صفحات میں اس موضوع پر اجمالی بحث بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام امام حافظ ابن تیمیہؒ کا نام اور اسم گرامی آتا ہے جن کے قلم حق کے سیل رواں نے علوم اسلامی کے مختلف شعبوں کو اپنی ذہانت و فطانت سے آبیار کیا ہے۔ آپ کے قلم سے اس موضوع پر مشہور کتاب رفع الملام عن الائمۃ الاعلام منصہ شہود پر آئی، جن میں ان اسباب اختلاف پر بحث کی گئی ہے جو بالعموم حدیث سے متعلق ہیں۔ اس کے ایک خاص وقفہ کے بعد امام ابواسحق شاطبیؒ (م ۷۹۰ھ) نے اپنی مشہور اور مایہ ناز تالیف الموافقات میں اس موضوع کو بھی اپنی جولان گاہ فکر بنایا اور عموماً ابن السید بطلیموس کی بحثوں کو ہی معمولی وضاحت و اضافہ کے ساتھ نقل کیا۔

شاطبیؒ کے بعد ہندوستان میں علم حدیث کی تحریک کے موسس و بانی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۸۰ھ) نے اس موضوع پر اپنے مخصوص ماحول و حالات کے تحت بار بار روشنی ڈالی۔ شاہ صاحب کو جس فقہی جمود و تعجب سے سابقہ تھا اس کے تحت یہ موضوع خاص اہمیت کا حامل تھا۔ آپ نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کے نام سے اس پر مستقل رسالہ لکھا اور اپنی مایہ ناز اور نوعیت

کے لحاظ سے منفرد تالیف "حجة الله البالغة" میں بھی ایک مستقل باب میں قریب قریب انہی مضامین کا اعادہ فرمایا۔

شاہ صاحبؒ نے ایک اہم اور بنیادی بحث اصحاب حدیث اور اصحاب رائے کے منہج اجتہاد اور طریق استنباط کے فرق سے متعلق کی ہے، جس نے اسلام کی فقہی تاریخ پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور غالباً آپ سے پہلے اس وضاحت و بصیرت کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو نہیں کی گئی تھی۔

بحمداللہ ماضی قریب میں اس موضوع سے خاص اعتناء کیا گیا ہے اور اس موضوع پر نسبۃً مفصل مبسوط اور جامع تحریریں عرب علماء کی آگئی ہیں۔ان میں شیخ علی خفیف کی "اسباب اختلاف الفقهاء" اور ڈاکٹر مصطفی ابراہیم زلمی کی "اسباب اختلاف الفقهاءفی الاحكام الشرعية" خاص اہمیت کی حامل ہیں۔تاہم ڈاکٹر مصطفی سعید الخن کی "اثر الاختلاف فی القواعد الاصولية فی اختلاف الفقهاء" غالباً اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع تالیف ہے۔اس ذیل میں شیخ محمد عوامہ (شامی عالم دین مقیم مدینہ منورہ) کی تصنیف اثر الحديث الشريف فی اختلاف الفقهاء بھی قابل ذکر ہے۔

اختلاف کی اقسام

پہلی تقسیم کے اعتبار سے اختلاف دو قسم پر ہے۔ حقیقی و غیر حقیقی

اختلاف حقیقی دو حکموں میں ایسا تعارض ہو کہ دونوں حکم واقع میں بیک وقت صحیح نہ ہو سکیں۔ جیسے حلال و حرام۔

اختلاف غیر حقیقی دو حکموں میں تعارض حقیقتاً نہ ہو بلکہ صورتاً ہو۔ جیسے سفید پتھر، سیاہ پتھر، پتھر ہونے کے لحاظ سے ایک جنس ہیں۔

اختلاف حقیقی کی دو قسمیں ہیں

(۱)اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی (۲)اختلاف حقیقی فی الامر الدینی

پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

اول اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی کی دو قسمیں:

1. اختلاف حقیقی غیر عن منشاءصحیح
2. اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی لاعن منشاءصحیح

دوم کی دو قسمیں

1. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الفروع
2. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الاصول

اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الفروع کی دو قسمیں ہیں

1. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الفروع عن دلیل یعنی دلیل کے ساتھ اختلاف کرنا۔
2. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الفروع لاعن دلیل یعنی بغیر دلیل کے ساتھ اختلاف کرنا۔

اسی اختلا ف حقیقی فی الامر الدینی فی الاصول کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الاصول فی الکفر والایمان
2. اختلاف حقیقی فی الامر الدینی فی الاصول فی البدعة والسنة

اختلاف غیر حقیقی کی قسمیں

1. اختلاف غیر حقیقی بفعل العبد
2. اختلاف غیر حقیقی بجعل ا لحق

اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق کی دو قسمیں

1. اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الطبائع
2. اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع

اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع کی دو قسمیں ہیں

1. اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشریعة الواحدة
2. اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعدده

یہ کل دس اقسام ہیں۔ ۶ اختلاف حقیقی اور چار غیر حقیقی۔

1. **اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی عن منشاء صحیح:** اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور کسی منشاء صحیح کی وجہ سے ہو۔ مثلاً دو طبیبوں میں طریق علاج میں اختلاف یا باوجود طریق علاج میں تشخیص کا اختلاف، ظاہر ہے کہ یہ اختلاف صحیح منشاء کے تحت ہوگا۔ اگر اس میں ایک دوسرے کا رد ہے تو وہ بھی دلیل کی بنیاد پر ہے اور مشورہ کی حد میں داخل ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ شرح صدر کے بغیر کوئی رائے ظاہر نہ کرے۔
2. **اختلاف حقیقی فی الامور الدنیوی لا عن منشا صحیح:** اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور اس کا کوئی منشاء صحیح نہ ہو۔ محض نفسانیت پر مبنی ہے تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ ے ہ مذموم ہے۔
3. **اختلاف حقیقی فی الامر الدینی** میں سے ہے اور دلیل سے ہے، خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو یا متبوع صالح للمتبوعیہ کا اجتہاد یا فتویٰ ہو اور یہی ہے وہ اختلاف جو امت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک سے اس وقت تک چلا آرہا ہے اور اس اختلاف کے اسباب متعدد ہیں جو آگے ذکر کئے جائیں گے۔
4. **اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع لا عن دلیل:** اختلاف ایسے امر و نہی میں ہو جو وقوع میں سے ہے اور بلا دلیل محض رائے سے ہو جیسے آج کل مدعیان عقل میں عام مرض ہو گیا ہے کہ بلا تحصیلِ علم دین مسائل دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور بجائے دلیل کے اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ سخت معصیت ہے اور مذموم ہے۔
5. **اختلاف حقیقی فی الامر الدینی عن الاصول کفرا و اسلاماً:** جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہو اور کفر و اسلام کے درجہ میں ہو اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہل اسلام کو اہل کفر کے ساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورت شدیدہ بلا مصلحت شرعیہ اختلاط اور ارتباط نہ کرنا محمود مطلق اور واجب ہے۔ البتہ معاملات و معاشرت اس سے خارج ہیں۔
6. **اختلاف حقیقی فی الامر الدینی عن الاصول بدعتہ وسنۃ:** جو اختلاف ایسے امر و نہی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور سنت و بدعت کے درجے میں ہے اور اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکام مخصوصہ بالکفار جیسا ہے اور یہ بھی مذموم ہے۔

7. **اختلاف غیر حقیقی بفعل العبد**: اختلاف غیر حقیقی ہو اور متعلق بفعل عبد ہو۔ اختلاف حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم فی الحرث میں ہے۔

8. **اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق باختلاف الطبائع**: جو اختلاف غیر حقیقی اور بجعل حق ہو اور تکوین کے متعلق ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی صورتیں اور مزاج والوان وغیرہ مختلف پیدا فرمائے ہیں۔

9. **اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق (فی الشریعۃ الواحدۃ)**: جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بجعل حق ہو اور تشریع سے متعلق ہو اور شریعت واحدہ میں ہو، اس کی مثل قرات میں اختلاف ہے۔

10. **اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعددہ**: جو اختلاف غیر حقیقی اور بجعل حق ہو اور تشریع کے متعلق اور شرائع متعددہ میں ہو۔ اس کی مثال اختلاف شرائع ہے جو مختلف انبیاء کرام کو عطاء کئے گئے اور شریعت متقدمہ کے لئے شریعت متاخرۃ ناسخ ہوتی رہی ہے۔

اختلاف اقسام عشرہ میں سے مذموم اختلاف صرف چار ہیں۔ قسم دوم، چہارم، پنجم، ششم، وہ بھی جانبین سے نہیں بلکہ صرف صاحب باطل کی طرف سے۔ باقی صاحب حق کی طرف سے تو یہ اقسام بھی محمود و مطلوب ہیں اور چھ اقسام تو علی الاطلاق محمود ہیں[19]۔

ایک اور لحاظ سے اختلاف کی اقسام

اختلاف کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اختلاف مذموم (۲) اختلاف جائز[20]

مذموم اختلاف: اس کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ اختلاف فی الدین۔ اختلاف فی الامور العقائد۔

اختلاف فی الدین: دین کا اختلاف جیسے اسلام، یہودیت، نصرانیت، ہندوازم، بودھ ازم

اختلاف فی الامور العقائد: عقائد کے اختلاف اس طریقے پر کہ ان کے اندر اضافہ یا کمی کی جائے۔ یعنی بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف۔ جیسے قدریہ، خوارج، جہمیہ وغیرہ۔

1. جائز اختلاف یعنی اجتہادی مسائل میں مجتہدین، یعنی فقہاء و مفتیان اور حکام کا اختلاف۔

اس لحاظ سے اختلاف کے مواد تین ہیں۔ ادیان، فرق، مذاہب فقہیہ اختلاف کے انواع بلحاظ ازمنہ آٹھ اقسام پر مشتمل ہیں:

اول صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کا اختلاف (۲) تابعین کا اختلاف (۳) تبع تابعین کا اختلاف۔ (۴) آئمہ مجتہدین کا اختلاف (۵) محدثین کا اختلاف (۶) علماء و فضلاء کا اختلاف (۷) امت کے عوام کا آپس میں اختلاف (۸) علماء امت اور عوام میں اختلاف[21]۔

اختلاف فی الدین اور اختلاف فی امور العقائد تو درست نہیں۔ لہذا ایسا اختلاف ناجائز ہے۔ باقی فروع کے اندر اختلافات اس میں تفصیل بھی ہے اور ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے۔

فقہی اختلاف کے اسباب

اختلاف کے تین دور

حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ "اختلاف ائمہ" پر کلام فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

اس اختلاف کے حقیقۃً تین دور ہیں۔

1. ایک اختلاف روایات یعنی نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال میں جو بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔
2. اختلاف آثار۔ یعنی صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں تعارض (بظاہر) جو معلوم ہوتا ہے۔
3. اختلاف مذاہب جو ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں آکر کسی مجتہد کا قول مختار ہونے کی وجہ سے اس کے مقلدین کے لئے ہمیشہ کا معمول بہ بن گیا۔ دوسرا اور تیسرا اختلاف حقیقتاً پہلے ہی اختلاف کی فرع ہے[22]۔

حضرات ائمہ کا اختلاف در حقیقت دلائل کی بنیاد پر ہے اور دلائل کے مختلف ہونے کا سبب وہ احادیث اور ارشادات رسول ﷺ ہیں جو کہ کتب احادیث میں مذکور ہیں اور ائمہ عظام کا اجتہادی اختلاف بھی ایک حد تک انہیں اختلاف روایات کی وجہ سے ہے۔ البتہ ان کے علاوہ وجوہات اور بھی ہیں۔ اولاً حضرات صحابہؓ کا اختلاف اجتہاد اور دوم اندازِ قیاس اور اختلافِ اعتبارات۔

احادیث اور روایات میں اختلاف کیوں ہوا؟

جب کہ فقہی اختلاف کا ایک بڑا سبب احادیث اور روایات میں اختلاف ہونا ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احادیث اور روایت میں اختلاف کیوں ہوا؟

اس سوال کے جواب سے قبل ایک تمہیدی مضمون ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس کی روشنی میں یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ کن بنیاوں پر اختلاف واقع ہوئے:

اعلم ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لم یکن الفقه فی زمانه الشریف مدونا،ولم یکن البحث فی الاحکام یومئذ مثل کبحث هلاءالفقهاء---- ماسالوه الا مسئلة حتیٰ قبض ، کلهن فی القرآن[23]

اس علمی اور تاریخی بحث کا آغاز کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"کہ نبی کریم ﷺ کی مبارک حیات میں فقہ مدون شکل میں نہ تھی اور نہ فقہی احکام ان کے ارکان و شرائط اور آداب و تعریف کے ساتھ بیان کئے جاتے تھے، اس مبارک دور میں طریقہ کار بالکل سادہ تھا کہ صحابہ کرام ذاتِ رسالت مآب ﷺ کو وضو کرتے دیکھتے اور اسی طرح وضو کر لیتے۔ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے اور اسی طریقہ پر نماز پڑھا کرتے، نہ وضو کے چار یا چھ فرائض کا ذکر ہوتا اور نہ دیگر شرائط و آداب کا، صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوال بھی بہت کم ہی کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں دیکھی۔ انہوں نے آپ کی حیات میں صرف تیرہ سوالات کئے جو سب قرآن میں مذکور ہیں۔"

حضور اقدس ﷺ کی سیرت پاک ایک جامع ترین سیرت پاک ہے۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں تشریعی افعال اور اخلاق حسنہ کے اعلیٰ ترین نمونے نظر آئیں گے۔ اسی امر کے پیش نظر علماء کرام نے آپ ﷺ کے افعال اور اقوال کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہ تقسیم اس طرح اصطلاحی عنوان کے ساتھ موسوم ہوئی۔

سنن ھدیٰ یعنی آپ ﷺ کے وہ افعال اور اقوال جو کہ تشریعی حیثیت رکھتے ہوں۔

سنن عادیہ یعنی آپ ﷺ کے وہ افعال اور اقوال جو کہ آپ ﷺ کی ذاتی عبادات سے تعلق رکھتے ہوں۔

جو افعال اور اقوال تشریعی ہیں، ان کی تفصیل اصطلاحی طور پر اس طرح کی گئی ہے۔

(۱)مباحات (۲) استحباب (۳) فرائض اور واجبات۔ ظاہر ہے کہ جو امور مباحات اور مستحبات کے درجہ میں ہیں ان کے اختیار کرنے میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔

چنانچہ اس نوع کے امور میں حضور اقدس ﷺ سے اقوال وافعال قدرے اختلاف کے ساتھ ثابت ہونا اسی بنیاد پر تھا کہ ان امور میں آپ ﷺ مختار ہیں کہ ایک وقت ایک صورت کو اختیار فرمالیں اور دوسرے وقت میں دوسری صورت کو جب کہ آپ ﷺ امت کی تعلیم کا قصد بھی ہر وقت فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل آپ ﷺ کی امت کے حق میں تعلیم کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں روایات کا مختلف وارد ہونا ایک امر ضروری ہوا۔ بعد میں اہل علم حضرات نے صحابہؓ، تابعین اور مجتہدین نے، ان پر جب فقہیانہ انداز سے نظر ڈالی تو اختلاف کا ہونا لازمی امر تھا۔

اسی طرح دوسری نوع (سنن عادیہ) میں اختلاف روایات اور اختلاف واقعات منقول ہونا ضروری ہے۔ جبکہ اس باب میں اور زیادہ وسعت اور گنجائش ہے اور بعد میں اہل نظر کا مختلف ہونا بھی اسی اعتبار سے ہوا کہ ایک نظر نے ان کو سنن عادیہ کا درجہ دیا اور دوسری جماعت نے اسی کو سنن ہدیٰ میں شامل کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

فاذا ظھر حدیثان مختلفان ------------------ مستحباً والآخر جائزاً الخ [24]

اگر بظاہر دو حدیثیں مختلف ہیں۔ مگر درحقیقت اس میں کوئی اختلاف اور تعارض نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ دونوں روایتیں آپ ﷺ کے فعل کو بیان کرتی ہیں، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک روایت میں ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ کے ایک فعل کو بیان کیا اور دوسرے صحابیؓ نے دوسرے فعل کو بیان کیا۔ جس میں کوئی تعارض نہیں کہ دونوں ہی فعل مباح ہیں۔ جن کو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ جو کہ افعال عادیہ میں سے ہوں گے اور یا ان میں سے ایک فعل مستحب اور دوسرا فعل مباح ہوگا۔ جن میں دونوں جانب اختیار کی وسعت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے اور اس کو اختلاف پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث اور روایات کے ذخیرہ میں بعض مرتبہ جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے فی الحقیقت حالات اور واقعات کے اختلاف کی وجہ سے احکام اور قضایا میں اختلاف ہوا۔ چونکہ آپ ﷺ نے واردین اور سائلین کے حسب حال حکم صادر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جب حالات میں اختلاف ہوگا تو اس کے حکم میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ جس کو اس کے ساتھ مخصوص قرار دیا جائے گا۔ مگر بعض مرتبہ اس کو عموم پر محمول کرتے ہوئے جو حکم اس کے خلاف دوسرے موقع پر صادر ہوا۔ دونوں کو باہم مختلف جان لیا گیا۔ حالانکہ ہر ایک کا موقع جداگانہ ہونے کی وجہ سے حکم جدا جدا ہوا۔

شاہ ولی اللہ اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء کو انتہائی جامع انداز میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء

اس بات کے آغاز میں شاہ صاحب حضور ﷺ کی ایک پیشن گوئی نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ سے کئے ہوئے اس وعدے کی تکمیل کرتے ہوئے دور تابعین کے بعد حاملین علم کی ایک نسل پیدا فرمائی جنہوں نے دین کے احکام اور اعمال تابعین سے دیکھے، ان سے روایت سنی، ان کے فتاویٰ اور اجتہادات معلوم کئے، اس کے بعد جب اس نسل کے افراد خود مسند آرائے درس ہوئے تو انہوں نے اپنے شیوخ کے نقوش کی پیروی کی، تبع تابعین اور فقہاء کی اس نسل کا طریقہ و عمل اس باب میں تابعین سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ تبع تابعین اور فقہاء کے دور میں احکام شرع کی تحقیق و جستجو کے عمل کا طریقہ شاہ صاحبؒ کے مطابق مندرجہ ذیل تھا:

1. انہوں نے مسند اور مرسل دونوں قسم کی احادیث کو اختیار کیا۔ نیز صحابہ اور تابعین کے اقوال سے بھی استدلال کیا۔ اس باب میں ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ صحابہ و تابعین کے اقوال یا تو احادیث رسول ﷺ ہیں، انہوں نے تواضعاً بطور حدیث ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نخعی نے محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت کے بارے میں حدیث رسول ﷺ روایت کی، ان سے پوچھا گیا کہ ان کے علاوہ بھی حدیث معلوم ہے تو انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں، لیکن ہم کو یہ کہنا زیادہ پسند ہے کہ علقمہ نے کہا اور عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا۔ اسی طرح شعبی سے

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے نیچے سب سے اعلیٰ شخص کی طرف انتساب کرنا ہمیں زیادہ پسند ہے، تاکہ کوئی اضافہ یا نقص ہو جائے تو اس کی نسبت حضور ﷺ کی طرف نہ ہو، یا پھر صحابہ و تابعین کے اقوال نصوص شرعیہ سے ان کا استنباط ہے یا انہوں نے اپنی آراء سے اجتہاد کر کے کہے ہیں۔ لہذا ان اقوال پر عمل اس شرط کے ساتھ کیا جانا ضروری ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہ ہو کہ ان کا قول حدیث رسول ﷺ سے ظاہری طور پر ٹکراتا ہو۔

2. اگر کسی مسئلہ میں احادیث رسول ﷺ مختلف ہوں تو یہ فقہاء اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے، اگر صحابہ نے کسی حدیث کو منسوخ کہا ہوتا، یا کسی حدیث کو اس کے ظاہری مفہوم سے پھیرا ہو، یا ایسی کوئی صراحت تو نہ کی ہو، لیکن اس حدیث کے ترک پر ان کا اتفاق ہو جو حدیث کے معلول یا منسوخ یا مول ہونے کی دلیل ہو، تو ان ساری شکلوں میں وہ صحابہ کی اتباع کرتے، جیسے ولوغ کلب (برتن میں کتے کے منہ ڈالنے) سے متعلق حدیث کے بارے میں امام مالکؒ کا قول تھا کہ: جاءالحدیث ولکن لا ادری ماحقیقتہ

3. اگر کسی مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کے درمیان اختلاف ہو تو ایسی صورت میں یہ فقہاء اپنے اپنے شہر اور اپنے اپنے شیوخ کے اقوال کو اختیار کرتے، کیونکہ وہ ان کے اقوال سے زیادہ واقف ہوتے اور ان کے فضل و تبحر علمی کی طرف ان کا میلان قلب بھی زیادہ ہوتا۔ اسی لئے فقہاء مدینہ کے نزدیک صحابہؓ میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ۔ اور تابعین میں حضرت سعید بن مسیب جو حضرت عمرؓ کے قضایا اور حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث کے بڑے حافظ تھے، اسی طرح حضرت عروہ، حضرت سالم، حضرت عطاء بن یسار، حضرت قاسم، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ، حضرت زہری، حضرت یحییٰ بن سعید، حضرت زید بن اسلم اور حضرت ربیعہ کی آراء و اقوال لائق اختیار قرار پائے اور امام دارالہجرہ حضرت سیدنا امام مالکؒ نے ان ہی کے نقوش پا کی پیروی کی۔ فقہاء کوفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کے مسلک، حضرت علیؓ، حضرت شریح و حضرت شعبی کے فیصلوں اور حضرت ابراہیم نخعی کے فتاویٰ کو ترجیحی طور پر اختیار کیا، اسی لئے جب حضرت

مسروق نے ایک مسئلہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کے قول کو اپنایا تو حضرت علقمہؒ نے ان سے کہا:

هل احد منكم اثبت من عبدالله

جب شہر کے صحابہ وتابعین کسی قول پر متفق ملتے تو یہ فقہاء اس قول کو مضبوطی سے اپنا لیتے، اگر خود ان کے اقوال میں اختلاف ہوتا تو زیادہ راجح واقویٰ کو اختیار کرتے، اگر درپیش مسئلہ کا جواب ان اقوال میں نہ ملتا تو ایسی صورت میں تخریج کرتے۔ اجمالی طور پر حضرات فقہاء اربعہؒ کے اصولوں کو بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے[25]۔

نتائج البحث

اسلام ایک وسیع النظر دین جو انسانی فکر کو تحرک دے کر اسے تحقیق، علم اور جستجو پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کا ثبوت ہر دور کے فقہاء، محدثین اور اہل بصیرت کی گراں قدر خدمات ہیں۔ ان حضرات کی آراء میں اختلاف موجود تھا تاہم اس کا دائرہ صرف فکری اور اجتہادی تھا۔ انھوں نے اختلاف کو کبھی تعصب، فرقہ پرستی یا انا کی تسکین کا ذریعہ نہیں بنایا اور ہمیشہ لوگوں کی سہولت و فلاح اور بہبود کو ملحوظ رکھا۔ بعض لوگ اختلاف اور شقاق کے درمیان فرق نہیں کرتے جس کی وجہ سے ذہنوں میں کئی شبہات ابھرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جس کی تفہیم وقت کی اشد ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1 مولانا عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن ۱: ۴۲، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء

2 لسان العرب ۴: ۱۸۷ -۱۸۸

3 مولانا بدر عالم، ترجمان السنۃ ۱: ۳۲، مکتبہ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۴ء

4 التعریفات: ۴۳

5 المفردات فی غریب القرآن ۱: ۱۵۶

6 شیخ محمد عوامہ، ادب اختلاف: ۹-۸، مکتبہ دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ۱۹۹۷ء

7 سورہ بنی اسرائیل ۱۵: ۹

8 مجمع الزائد ۱: ۱۴۰

9 امام محمد بن ادریس الشافعی، الرسالہ: ۳۵۸، المکتبۃ العلمیۃ بیروت (س۔ن)

10 علامہ انور شاہ کشمیری، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین: ۵- ۶، مطبوعہ مجلس علمی کراچی، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء

11 سورہ النساء ۴: ۱۱۵

12 جصاص الرازی، احکام القرآن: ۱۴۰۲ مطبوعہ سہیل اکیڈیمی لاہور، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء

13 ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی الشاطبیؒ، الموافقات ۴: ۱۲۵، الناشر المکتبۃ التجاریۃ مصر (س۔ن)

14 سنن ترمذی، حدیث (۱۳۲۶)

15 مفتی محمد شفیع، وحدت امت ۱۴-۱۳، مکتبہ المنیر جناح کالونی لائل پور (س۔ن)

16 ابی عبداللہ الدارمی، سنن الدارمی، باب اختلاف الفقہاء، حدیث (۶۳۳) دار القلم، دمشق ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

17 احمد بن عبدالرحیم الدھلوی، حجۃ اللہ البالغہ ۱: ۴۱۸، قدیمی کتب خانہ کراچی (س۔ن)

18 مولانا مناظر احسن گیلانی، تدوینِ فقہ ۱: ۲۲۵، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۶ء

19 مولانا اشرف علی تھانوی، رسالۃ الاحکام ایتلاف فی احکام الاختلاف: ۶۶۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۵ء

20 صالح بن عبداللہ بن حمید، ادب الخلاف ۱۱: ۱، وزارت اسلامی امور، سعودی عرب ۱۴۱۹ھ

21 مولانا حکیم انیس احمد صدیقی، مسلکِ اعتدال: ۷، مکتبہ صدیقی ٹرسٹ کراچی (س۔ن)

22 مولانا زکریا کاندھلوی، اختلاف الائمہ: ۱۱، مکتبہ الشیخ کراچی (س۔ن)

23 حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ۱: ۱۵ دار النفائس بیروت ۱۹۸۷ء

24 حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ۱: ادار النفائس بیروت، ۱۷۸۹ء

25 الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ۱: ۲۵